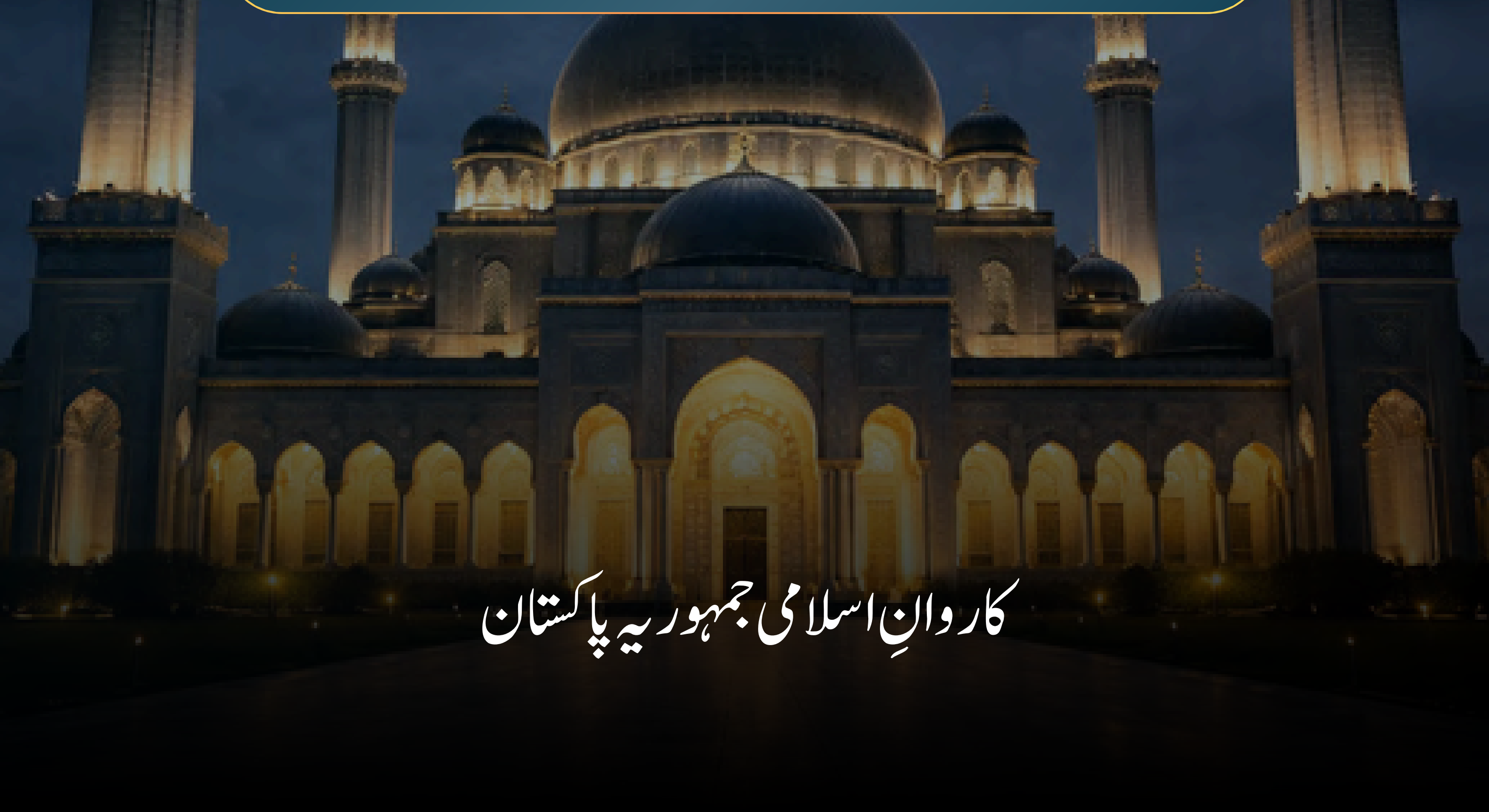
ماہنامہ

کاروان

اپریل 2026ء

یہ رسالہ نوجوانوں کے اندر فکری اور ادبی صلاحیتوں کے فروغ کی ایک سنجیدہ کوشش ہے



کاروانِ اسلامی جمہوریہ پاکستان

ماہنامہ
کاروان

خاص اشاعت
بنامِ ڈاکٹر اسرارؒ

فہرست

* نوٹ: اپنی تحاریر اس ای-میل پر ارسال کریں: monthlykarwaan@gmail.com

حرف اوّل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔

وقت کا دھارا ایک بہت نازک دور سے گزر رہا ہے۔ دنیا کے افق پر نظر ڈالیں تو ایک اور تلخ حقیقت سامنے آتی ہے۔ ظلم و جبر کی وہ داستانیں جو کبھی تاریخ کی کتابوں میں پڑھی جاتی تھیں، آج ہماری آنکھوں کے سامنے دہرائی جا رہی ہیں۔ امریکہ و اسرائیل کی جارحیت، مظلوم مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم، اور عالمی سطح پر اختیار کی گئی مجرمانہ خاموشی، یہ سب ہمارے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہونا چاہیے تھا۔ مگر افسوس کہ امتِ مسلمہ کا بڑا حصہ محض ایک تماشائی کا کردار ادا کر رہا ہے۔
ایسے حالات میں سب سے اہم سوال یہ نہیں کہ دنیا کیا کر رہی ہے، بلکہ یہ ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟

خاص طور پر نوجوانوں کے لیے یہ لمحہ غفلت کا نہیں، بیداری کا ہے۔ یہ وقت ہے کہ وہ اپنے اندر شعور پیدا کریں، علم حاصل کریں، حق اور باطل میں تمیز سیکھیں، اور اپنی زندگی کو کسی بڑے مقصد کے ساتھ جوڑیں۔ سوشل میڈیا کی سطحی مصروفیات سے نکل کر سنجیدہ مطالعہ کریں، فکری تربیت حاصل بھی کریں اور دوسروں کو بھی تیار کریں اور صرف علم ہی نہیں بلکہ عملی کردار کی طرف قدم بڑھائیں۔ اپنی آواز کو حق کے لیے استعمال کریں، اپنی صلاحیتوں کو امت کے فائدے کے لیے بروئے کار لائیں، اور اپنی ذات کو محض ایک فرد نہیں بلکہ ایک ذمہ دار نمائندہ سمجھیں۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملّت کے گُناہوں کو معاف

یہ ماہنامہ ہم نے ڈاکٹر اسرار نمبر کے نام سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔
کیونکہ اپریل کا یہی مہینہ ہمیں اس مردِ مجاہد، مفکرِ قرآن اور داعیٔ دین کی یاد دلاتا ہے جس نے اپنی پوری زندگی امت کو جھنجھوڑنے، قرآن سے جوڑنے اور ایک واضح فکری سمت دینے میں صرف کر دی۔ ان کی دعوت کا مرکز یہی تھا کہ مسلمان اپنی اصل پہچان کو سمجھیں، دین کو ایک مکمل نظامِ حیات کے طور پر اپنائیں، اور محض جذباتی وابستگی کے بجائے شعوری تعلق قائم کریں۔
آج جب ہم اپنے گرد پھیلی ہوئی بے حسی، انتشار اور فکری کمزوری کو دیکھتے ہیں تو شدت سے احساس ہوتا ہے کہ جس درد کا اظہار وہ برسوں پہلے کر رہے تھے، وہ آج اور زیادہ گہرا ہو چکا ہے۔ ان کی آواز محض ایک خطیب کی آواز نہیں تھی، بلکہ ایک دردمند دل کی پکار تھی جو امت کو اس کی ذمہ داری یاد دلانا چاہتا تھا۔
یہ خصوصی اشاعت اسی نسبت کو تازہ کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔ اس میں شامل تحاریر کا مقصد محض تعارف یا خراجِ تحسین پیش کرنا نہیں، بلکہ اس فکر کو سمجھنا اور اس سے اپنے لیے راستہ تلاش کرنا ہے۔ کیونکہ شخصیات چلی جاتی ہیں، مگر ان کی دی ہوئی فکر اگر زندہ رہے تو وہی اصل کامیابی ہوتی ہے۔
آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان کے پیغام کو صرف سنیں نہیں، بلکہ اسے اپنی زندگیوں کا حصہ بنائیں۔ قرآن سے تعلق کو مضبوط کریں، دین کو سمجھنے کی سنجیدہ کوشش کریں، اور اپنے کردار سے اس پیغام کی نمائندگی کریں۔
تو آئیے، اس مہینے کو محض ایک یادگار کے طور پر نہ گزاریں، بلکہ اسے اپنے اندر ایک نئی بیداری کا ذریعہ بنائیں۔ علم کی، شعور کی، اور عمل کی بیداری۔
کیا خبر، یہی چھوٹا سا قدم ہمیں اس مقام تک لے جائے جہاں ہم محض تماشائی نہیں، بلکہ تبدیلی کا حصہ بن جائیں۔
والسلام مع الاکرام

رم ح
اپریل ۲۰۲۶ء

طلوعِ اِسلام

عقابی شان سے جھپٹے تھے جو، بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خُونِ شفَق میں ڈُوب کر نکلے
ہُوئے مدفونِ دریا زیرِ دریا تیرنے والے
طمانچے موج کے کھاتے تھے جو، بن کر گُہر نکلے
غبارِ رہ گزر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو، اِکسیرگر نکلے
ہمارا نرم رو قاصد پیامِ زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے
حرم رُسوا ہُوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے
زمیں سے نُوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے
یہ خاکی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلے
جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈُوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈُوبے اِدھر نکلے

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ مِلّت ہے
یہی قوّت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ مِلّت ہے

~علامہ اقبال



ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ ایک شخصیت نہیں، فکر کا نام تھا

ڈاکٹر قمر احسان

ماخوذ: ندائے خلافت، اپریل 2010

ڈاکٹر اسرار احمد بھی اپنے حصے کا کام کر کے اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ ہر شخص جو دنیا کی اس اسٹیج پر آتا ہے وہ اپنے حصے کا کردار ادا کرتا ہے، جو اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی۔ اچھائی اور برائی دونوں کے وجود سے دنیا قائم ہے۔ لیکن اچھا کام کرنے والوں کی ہمیشہ کمی رہی ہے۔ اچھائی کے پرچارک کم ہونے کے باوجود اپنا نقش اس دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں، جن سے آنے والی نسلیں رہنمائی حاصل کرتی ہیں۔

ہم بحیثیت مسلمان ایک خامی کا شکار ہیں۔ ہم نے ہمیشہ انسانی خصائص کو اہمیت دی ہے اور جن اعمال کی وجہ سے وہ خصائص پیدا ہوتے ہیں ان سے روگردانی کی جاتی ہے۔ ہم نے ہمیشہ شخصیت پرستی کی ہے اور شخصیت کی فکر، رہنمائی، اصول و ضوابط اور نظریہ پر کاربند ہونے کی کوشش نہیں کی۔ بات ذرا تلخ ہے لیکن کہنا ضروری ہے کہ شخصیت پرستی میں ہم اتنا آگے چلے گئے ہیں کہ باقاعدہ تقلید کا ایک شعبہ پیدا کر لیا ہے، اور تقلید بھی اندھی، جس میں سوچنے سمجھنے کی اہلیت ختم ہو جاتی ہے۔ تقلید کا ایک پہلو اچھا ہے کہ اگر آپ کسی کے نظریے سے متاثر ہوں تو اس نظریہ کو، اس اصول کو آگے بڑھائیں، نہ کہ اس شخص کی شخصیت کو اہمیت دینا شروع کر دیں اور وہ شخصیت اپنی فکر اور نظریے سے زیادہ اہمیت اختیار کر جائے۔

ڈاکٹر اسرار احمد بلاشبہ اسلامی دنیا کے عظیم اسلامی اسکالر تھے۔ ان کی وفات کسی بڑے سانحہ سے کم نہیں۔ گزشتہ دنوں سے پاکستان کے قومی اخبارات ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات کے بعد مختلف کالم، مضامین اور ایڈیشن شائع کر رہے ہیں، جو ایک اچھی بات ہے اور یہ ضرور ہونا چاہیئے، کہ ایک اسلامی اسکالر اور مسلمان معاشرے کا ہیرو ہم سے جدا ہوا ہے، جس کی کمی مدتوں رہے گی۔ لیکن مجھے ایک بات پر تعجب ہوا ہے کہ تمام لکھاری ڈاکٹر اسرار احمد کی شخصیت پر ہی کیوں لکھتے جا رہے ہیں۔ جس وجہ سے ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر، اسلامی اسکالر ڈاکٹر اسرار احمد بنا، اس فکر، اس نظریے پر بات کیوں نہیں کر رہے۔ اور یہی ہمارا وہ رویہ ہے جو شخصیت پرستی اور تقلید کی راہ ہموار کرتا ہے۔ ہمارے دانشوروں کو چاہیئے کہ وہ قوم کی فکری رہنمائی کریں اور ڈاکٹر اسرار احمد کی فکر کو عام کریں، نہ کہ ڈاکٹر اسرار احمد کی شخصیت کو۔

ڈاکٹر اسرار احمد سے قبل بھی ہمارے دانشوروں نے ہمیں شخصیات ہی سے متعارف کرایا ہے، ان شخصیات کے نظریات اور فکریات کو چھوڑ دیا ہے۔ اگر آج ہمارے دانشوران اسکالرز کی دانش اور فکر کو عام کرتے تو ہم دنیا کی مہذب اور ترقی یافتہ قوموں میں شمار ہوتے۔ ہم نے قائد اعظم محمد علی جناح کی فکر اور نظریے کو چھوڑ کر صرف شخصیت پر بات کی اور کتابوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ صرف اس بات کو واضح کرتے ہوئے کہ قائد بہت بڑے لیڈر تھے، جنہوں نے برصغیر کا نقشہ تبدیل کر دیا۔ ٹھیک ہے، یہ کام ایک بڑا لیڈر ہی کر سکتا ہے لیکن یہ بھی تو بتاؤ کہ قائد کن اصول و ضوابط اور نظریے پر کاربند ہو کر ایک بڑا لیڈر بنا۔ ہم نے یہ بتانے کی کبھی کوشش نہیں کی بلکہ ہم نے قائد کی برسی کو اہمیت دی ہے، اور برسی منانے کو ہی خراج تحسین پیش کرنا تصور کر لیا ہے، یہ نہ دیکھا کہ قائد جب ایک لیڈر کے طور پر سامنے آئے تو آپ نے اپنی قوم کے لئے کیا رہنما اصول دیئے۔ جتنی اہمیت شخصیت اور برسی کو دی جاتی ہے اتنی اہمیت کبھی اس شخصیت کے نظریے کو دیں تو ہم ترقی یافتہ قوم بن جائیں۔

علامہ محمد اقبال ایک عظیم نظریاتی شاعر ہے جس نے اپنی شاعری کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگایا اور ایک فکر دی، لیکن ہم نے ان کے ساتھ بھی وہی کیا جو قائد کے ساتھ کیا۔ ہم نے علامہ محمد اقبال کی فکر کو چھوڑ کر ان کی شخصیت کی بات کی۔ ان کے رہنے سہنے کو موضوع سخن بنایا۔ ہم نے ان کی باتوں کو سطحی طور پر لیا اور صرف مجالس کی حد تک ان کی فکر کو بیان کیا، لیکن عملی طور پر ہم اقبال کی فکر سے کوسوں دور رہے۔

ہماری ایک اور بدقسمتی یہ رہی ہے کہ ہم نے زندہ انسان کو اہمیت نہیں دی، جونہی وہ اس دار فانی سے رخصت ہوا، ہم نے اسے اہمیت دینا شروع کر دی اور اتنی زیادہ کہ ہم اسے دیوتا کے مقام تک لے گئے۔ حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ جب وہ زندہ ہو اس وقت اہمیت دی جائے، اس کے نظریے پر کام کیا جائے، اس کی سوچ کو آگے بڑھایا جائے۔ لیکن ہم اس وقت صرف ایک ہی سوچ میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اس شخصیت کو گرایا کس طرح جائے، اس کے راستے میں روڑے کس طرح اٹکائے جائیں۔ اگر یہ نہ کر سکیں تو بے جا مخالفت شروع کر دیتے ہیں اور ایسی بے ڈھنگی مخالفت جس میں کوئی دم نہیں ہوتا۔ صرف اپنی انا کو تسکین دینے کے لئے یہ بیڑا اٹھا لیتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور اپنی زندگی اور موت کے بعد ان دونوں پہلوؤں سے گزر رہے ہیں۔ وہ اپنی زندگی میں نظریاتی اختلاف کے بعد جماعت اسلامی سے الگ ہوئے تو اس وقت سے موت سے ہمکنار ہونے تک بے جا مخالفت کی بھینٹ چڑھتے رہے۔ 24 سالہ نوجوان کی اس وقت کے اسلامی دنیا کے ایک بڑے اسکالر سے اختلاف نے ایک دنیا کو ششدر کر دیا تھا اور وہ نوجوان آخری دم تک اس اختلاف پر قائم رہا، بلکہ اپنی سوچ اور فکر کے ساتھ زندہ رہا۔ آج سب سے زیادہ جس بات کی ضرورت ہے وہ ہے اس 24 سالہ نوجوان کی سوچ اور فکر کو پروان چڑھانے کی، جس کے لئے اس نوجوان نے اپنی زندگی کے 53 سال صرف کئے۔

اب اسلامی دنیا میں اور بالخصوص پاکستان میں اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ ایک فکر اور نظریے کو چھوڑ کر شخصیت پرستی کی جائے۔ دانشوران قوم سے گزارش ہے کہ اس غلطی کو دوبارہ نہ دہرایا جائے۔ شخصیت کو چھوڑیں، نظریہ پر بات کریں۔ فکر اور سوچ پر اپنی قلموں کو حرکت دیں، جس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد جیسی شخصیات روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔

پہلے ہی اسلامی دنیا میں قحط الرجال کی کیفیت ہے۔ اگر ہم نے ڈاکٹر اسرار احمد کی فکر اور نظریے کو چھوڑ کر صرف شخصی اوصاف پر بات کی اور کتابوں کے انبار لگائے تو آئندہ آنے والی نسلیں ہمیں معاف نہیں کریں گی۔ قائد اعظمؒ، علامہ اقبالؒ، مولانا مودودیؒ، ڈاکٹر اسرار احمدؒ، مولانا ابو الکلامؒ اور حکیم محمد سعیدؒ جیسے نام جو زندگی کے ہر میدان میں چاہے وہ سیاست ہو، شاعری ہو، فلسفہ ہو، حکمت ہو دینی و فکری رہنمائی کے لئے ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان اکابرین کی سوچ، فکر اور نظریہ پر کاربند ہو کر ہم اچھے مسلمان، اچھے سیاست دان اور دنیا کے لئے اچھے رہنما بن سکتے ہیں۔ بات صرف شخصیت پرستی سے باہر نکل کر ان کے نظریات پر کاربند ہونے اور ان کی تعلیمات کو عام کرنے کی ہے۔ ہے تو ذرا مشکل لیکن ناممکن نہیں، کیونکہ یہ لوگ بھی نظریات پر قائم رہ کر بڑی بڑی شخصیات بنیں ہیں، اور ان شخصیات کے نظریات کا ماخذ صرف دین الٰہی ہے، جو دنیا و آخرت میں کامیابی کی دلیل ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد، ایک عالم باعمل

معین کمالی

ماخوذ: ندائے خلافت، اپریل 2010

عقیدت و محبت و رواداری میں لوگ عام طور پر کسی بھی عالم کی وفات کو "موت العالم، موت العالم" کہہ دیتے ہیں حالانکہ یہ قول کسی بہت بڑے عالم یا علامہ کی وفات ہی پر صادق آتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کا شمار بلاشبہ مسلم دنیا کے نہایت نامور اسکالرز میں ہوتا تھا۔ ان کے دنیا سے جانے کو فی الواقع ایک ایسے سناٹے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جو موت کی طرح اس عالم فانی کے وسیع و عریض علاقے میں پھیلا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد ایک عالم باعمل تھے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی اسلامی تعلیمات کے فروغ میں صرف زبانی طور پر نہیں بلکہ عملی طور پر گزار کر دکھائی۔ ایک موقع پر انہوں نے ایک مختصر سی کتاب شائع کی جس میں انہوں نے موجودہ دور میں شادی بیاہ کی تقریبات میں ہونے والی بیہودگی اور فضول خرچی کو ہدف تنقید بناتے ہوئے بتایا کہ اسلام کی رو سے بیٹی والوں پر تو یہ بھی لازم نہیں کہ وہ مہمانوں کی ضیافت کا اہتمام کریں۔ البتہ بیٹے والے ولیمے کو سنت کے طور پر اور مسنون طریقے سے منائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مذکورہ کتابچے میں ڈاکٹر اسرار احمد نے اظہار تشکر کے طور پر بیان کیا کہ جب انہوں نے اسلام کے سادہ طریقے کے مطابق اپنی بیٹیوں کی شادی کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جذبے کو پذیرائی بخشتے ہوئے انہیں ایسے ہی داماد اور خاندان عطا کر دیئے۔ اس تحریر کے ذریعے ڈاکٹر اسرار احمد یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ اگر کوئی شخص غلط رسم و رواج سے ہٹ کر قرآن و سنت کے مطابق کسی کام کو کرنے کا عزم کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔

13 اور 14 اپریل 2010ء کی درمیانی شب میں تقریباً تین بجے عارضہ قلب کی وجہ سے دنیائے فانی کو چھوڑ کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملنے والے ڈاکٹر اسرار احمد کا خلا آسانی سے پر نہ ہو سکے گا۔ قحط الرجال کے اس دور میں اس پائے کے عالم کی جدائی امت مسلمہ کے لیے کسی عظیم صدمے سے کم نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی عمر عزیز کے کم و بیش چالیس سال قرآن و سنت کی تعلیمات عام کرنے میں صرف کیے۔ ان کی تقریروں اور تحریروں میں علم دین کی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ ساتھ دلائل و شواہد کی قوت بلا کی پائی جاتی تھی۔ شاندار

الفاظ اور گھن گرج کے ساتھ کی جانے والی تقریریں سامعین پر پائیدار اثر نہیں چھوڑتیں۔ قلب و ذہن پر ان کا تاثر وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔ کچھ دیر بعد کسی کو یاد بھی نہیں رہتا کہ "علامہ" صاحب نے کیا فرمایا تھا۔ لیکن ڈاکٹر اسرار احمد اپنی تقریروں کی طرح تحریروں میں بھی صرف الفاظ سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ ان کے پیچھے اخلاص اور دلیل کا وزن ہوتا تھا، جس سے اہل علم ہی نہیں عام سامعین بھی عمل اور کردار کی قوت حاصل کرتے تھے۔

26اپریل1932ء کو حصار میں پیدا ہونے والے ڈاکٹر اسرار احمد اپنی زندگی کے اٹھتر سال پورے کر کے دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ اپنے پیچھے سو سے زائد کتابیں اور بے شمار آڈیو اور ویڈیو کیسٹس کا سرمایہ چھوڑ گئے۔ ان میں سے کم از کم نو کتابوں کے انگریزی اور دیگر زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ ان کتابوں میں قرآن و سنت اور پاکستان کے قیام کا نظریہ اور متعدد علمی مباحث مذکور ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے فکر و فلسفے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے کیونکہ انہوں نے بھی بعض بزرگوں کے خیالات سے اختلاف کیا۔ اختلاف رائے کو دلائل و براہین کے ساتھ پیش کیا جائے تو علم میں اضافہ ہوتا ہے اور ڈاکٹر اسرار احمد اسی کے قائل تھے۔

قیامِ پاکستان سے قبل وہ تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن رہے اور مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے تحت نظریہ پاکستان کی خاطر کام کیا۔ پاکستان آنے کے بعد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکر سے متاثر ہو کر انہوں نے اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستگی اختیار کر لی اور بعد میں جماعت اسلامی کے ایک اہم رکن رہے۔ 1954ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے ایم بی بی ایس کرنے کے

اُستادِ محترم کے نام

ام حسین (ناظمہ حلقۂ خواتین، کاروان)

خرد جس کی رہنمائی پہ یقیں رکھتا ہو،
دل بھی جس چناؤ پہ ناز کرتا ہو،
اُستادِ معتبر اسرار محترم
آفریں آپ پر

رب نے بھی جس گرج میں کشش بھری ہو،
حق کی جانب بلانے والا کیا اور کہیں ہو،
اُستادِ معتبر اسرار محترم
آفریں آپ پر

کیا کہنے کے عزیز و عظیم آپ ہو،
مرد مومن ہوں ایسے کہ قسمت بھی اس خطے پہ رشک کرتی ہو،
اُستادِ معتبر اسرار محترم
آفریں آپ پر

دعائیں کیا ہوں مرشدم آپ کو،
جنت بھی آپ کی منتظر کھڑی ہو،

اُستادِ معتبر اسرار محترم
آفریں آپ پر

بعد طب کی پریکٹس شروع کر دی۔ 1965ء میں ڈاکٹر اسرار احمد نے کراچی یونیورسٹی سے علوم اسلامی (اسلامک سٹڈیز) میں ایم اے کیا۔ اس دوران وہ 1957ء میں جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کر چکے تھے۔ جماعت اسلامی کو قبل از وقت انتخابی میدان میں اتارنے پر ان کا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے اختلاف تھا، اسے خالص علمی اختلاف قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اس کے بعد بھی وہ تاحیات مولانا مودودیؒ کے نظریات سے متفق رہے اور انہیں اپنے وقت کا مجدد عالم سمجھتے تھے جن کی فکر میں تحریکی و انقلابی جذبہ کمال درجے پر ملتا ہے۔

1971ء میں طب کے پیشے سے علیحدگی اختیار کر کے ڈاکٹر اسرار احمد نے خود کو تبلیغ دین کے لیے وقف کر دیا۔ ابتدائی طور پر انجمن خدام القرآن قائم کرنے کے بعد وہ بالآخر "تنظیم اسلامی" کے تحت خلافت راشدہ کی طرز پر اسلامی مملکت کے قیام کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی طرح مکی دور کی تعلیم و تربیت کے بعد کہیں مدینہ منورہ کی منزل آتی ہے، لہٰذا قرآن و سنت کی تعلیم عام کیے بغیر اور اسے اپنی سیرت و کردار کا جز بنائے بغیر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے منفی نتائج برآمد ہوتے ہیں، یعنی اچھے اچھے کردار کے لوگ موجودہ سیاست کی دلدل میں پھنس کر کسی کام کے نہیں رہتے۔

مولانا مودودیؒ اور مولانا ابوالکلام آزاد کے انقلابی نظریات کے علاوہ ڈاکٹر اسرار احمد علامہ اقبال کے بڑے عاشق اور مداح تھے اور ان کے افکار کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد قرار دیتے تھے۔ خالص دینی علم کے شعبے میں ڈاکٹر اسرار احمد شاہ ولی اللہ دہلوی، مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی سے متاثر اور ان کے پیروکار تھے۔

ڈاکٹر اسرار احمد یہودیوں کے سخت مخالف تھے۔ وہ انہیں اسلام اور مسلمانوں کا کٹر دشمن سمجھتے تھے۔ انہوں نے وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو یہودی فتنے سے آگاہ کرنے کا فریضہ انجام دیا، جس کی وجہ سے وہ اقوام مغرب میں معتوب بھی رہے، تاہم ڈاکٹر اسرار احمد کو دنیا بھر سے خطاب کے دعوت نامے موصول ہوتے تھے، جہاں جا کر وہ قرآن و حدیث کا درس دیتے اور بڑے بڑے جلسوں سے خطاب کرتے تھے۔ 2007ء میں انہوں نے اہل وطن کو خبردار کیا کہ شمال مغرب سے امریکی و نیٹو افواج اور مشرق سے بھارت پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

2002ء میں اپنی علالت کے باعث ڈاکٹر اسرار احمد نے تنظیم اسلامی کی امارت چھوڑ دی جس کے بعد حافظ عاکف سعید تنظیم کے امیر قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ اسلام، پاکستان اور مسلمانوں کے لیے ڈاکٹر صاحب کی خدمات کو قبول فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اہل خانہ سمیت ان کے تمام لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ فوری طور پر تو ڈاکٹر اسرار احمد کا بدل کوئی نظر نہیں آتا لیکن ذات باری تعالیٰ کی عنایتوں سے ناامید بھی نہیں ہونا چاہیے۔

(بشکریہ روزنامہ "اُمت" کراچی)

ڈاکٹر اسرار احمد کی یادیں اور باتیں

خالد بہزاد ہاشمی

ماخوذ: ندائے خلافت، اپریل 2010

ممتاز مسلم سکالر، بانی تنظیم اسلامی و صدر انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنا آخری انٹرویو وفات سے چند روز قبل نوائے وقت کے ادبی صفحے کے لیے دیا تھا اور اس میں اپنے عزیز دوست سید قاسم محمود کی رحلت پر گہرے رنج و غم کا اظہار اور انہیں شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کا تعلق شیر شاہ سوری کی جنم بھومی اور ہریانہ کے تاریخی ضلع حصار سے تھا جو کہ دہلی سے 250 کلومیٹر مغرب میں واقع ہے۔ اس تاریخی شہر میں اکبر، ہمایوں اور شیر شاہ کے دور میں تانبے کے سکے ڈھالے جاتے تھے۔ حصار سلطان خضر خان، محمود تغلق، محمد شاہ، سلطان بہلول لودھی، ہمایوں، مرزا کامران کی قلمرو میں شامل رہا۔

ڈاکٹر اسرار احمد 90ء کی دہائی کے شروع میں اپنے آبائی شہر حصار بھی تشریف لے گئے تھے جس کا احوال اخبارات و رسائل میں شائع ہوتا رہا تھا۔ انہیں حیدر آباد دکن کے ایک ادارہ نے بھارت مدعو کیا تھا۔ وہ دہلی اور حصار بھی گئے۔ وہ اپنا آبائی مکان ڈھونڈتے ہوئے جامع مسجد حصار کی جانب نکل گئے جہاں وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جامع مسجد میں سرکاری سکول قائم ہے اور مسجد کے احاطہ میں واقع پختہ قبروں کے چاروں جانب مورتیاں نصب ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد حصار کی گلیوں میں اپنا کھویا بچپن تلاش کرتے آبائی گھر پہنچے تو وہاں ایک غیر مسلم پنجابی کی رہائش تھی۔ ڈاکٹر اسرار احمد حسرت و یاس کے ساتھ اپنے آبائی گھر کے در و دیوار کو تکتے رہے۔ وہاں ایک چھوٹے سے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ یہاں اس کمرے میں میری داغ بیل پڑی تھی۔

حصار سے واپس لوٹتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے 1947ء کی داستان خوں چکاں بیان کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ”1947ء میں ہم لوگوں نے (مرد، عورتیں، شیر خوار بچے) سوا لاکھ کے قافلوں میں کچھ پیدل اور کچھ بیل گاڑیوں میں پاکستان کوچ کیا تھا اور ایک مہینہ کچھ دنوں میں بڑی مشقت و پریشانی کے عالم میں لاہور پہنچ پائے تھے۔ بالوں میں جوئیں پڑ گئی تھیں اور چاول، ستو اور آٹے میں کیڑے پڑ گئے تھے اور بعض لوگ راستے میں دم توڑ چکے تھے“۔ اس وقت حصار میں 68 مساجد ہیں جن میں لاٹ کی مسجد، ہمایوں کی جامع مسجد (1553ء)، بہلول لودھی کی مسجد اور دہلی گیٹ کے باہر ہمایوں کی مسجد (1533ء) شامل ہیں۔ اس وقت یہ تمام تاریخی مساجد ہندوؤں کے ناجائز قبضہ میں ہیں۔ ان میں سے صرف ایک مسجد میں جو بند سینما حصار کے قریب واقع ہے صرف جمعہ کی نماز ہوتی ہے جبکہ باقی اوقات میں رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ سے عقیدت۔۔۔اصل کرنے کا کام

عمر فاروق شیخ

پچھلی صدی عیسوی میں پیدا ہونے والی وہ تمام شخصیات کہ جنہوں نے احیائے دین کے کئی گوشوں میں اپنی زندگیوں کو لگایا، کسی ایک شکل میں دیکھنی ہوں اور ان تمام کی تعلیمات کا نچوڑ کسی ایک شخص کی تحریرات و تقریرات میں دیکھنی ہوں تو بلاشبہ وہ شخصیت محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ ہی کی شخصیت ہے۔

ماہِ اپریل جب کبھی بھی آتا ہے تو جہاں ڈاکٹر محمد اقبالؒ کا ذکر بڑھ چڑھ کر ہوتا ہے وہیں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کا ذکر بھی کئی جریدوں کا حصہ بنتا ہے لہذا امید واثق ہے کہ کئی تحریریں محترم ڈاکٹر صاحب کی شخصیت پر لکھی جا چکی ہیں، لہذا اس پر لکھنے کی جسارت اس وقت نہیں کرنی صرف ایک پہلو ہے کہ جس کی طرف نشاندہی کروانا مقصود ہے۔ اور وہ یہ کہ، جب کبھی بھی دنیا کو کچھ ایسے حالات کا سامنہ ہوتا ہے کہ جن کا ذکر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب رحمہ اللہ آیاتِ قرآنی و مطالعہ احادیث کے ضمن میں فرمایا کرتے تھے تو سوشل میڈیا کے کئی پلیٹفارمز پر محترم ڈاکٹر صاحبؒ کی شخصیت چھائی ہوئی ہوتی ہے اور ہر ایک ان کے وہ کلپس شئیر کر رہا ہوتا ہے کہ "کیا شخص تھا، یہ سب پہلے سے بتا دیا تھا"۔۔۔ لیکن! ایسے میں ہم وہی کام یہاں بھی کر رہے ہوتے ہیں جو بالعموم ہم نے شریعت کے ساتھ کیا، اور وہ یہ ہے کہ اپنے من پسند احکامِ شریعت کو نہ صرف مان لیا بلکہ اس کے پرچاری بھی بن گئے، لیکن جوں ہی شریعت کا کوئی ایسا حکم کہ جو میرے کمفرٹ زون سے باہر کا ہو اسے نہ صرف مانا نہیں بلکہ مکمل صرف نظر کر دیا۔ یہی کام ہم کچھ ان شخصیات کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔ جان لینا چاہیے کہ محترم ڈاکٹر صاحبؒ نے محض یہ کام نہیں کیا کہ امت کے امراض کی نشاندہی کی، بلکہ اپنی فیلڈ کے مطابق ایک جسمانی طبیب ہونے کے مصداق امت کے ان تمام روحانی امراض کا علاج اور ان کی دوا بھی کئی مرتبہ تجویز کی ہے اور یہی کہتے کہتے وہ ۱۴ اپریل ۲۰۱۰ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ شخصیات کا احسان مند بہر حال رہا جائے، یہ شخصیات اب ہم میں موجود نہیں ہیں، لیکن ان سے عقیدت کا اظہار محض یہ نہیں ہے کہ ان کی شان میں نظمیں پڑھی جائیں، انہیں خراج

عقیدت پیش کیا جائے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ان اداروں کو مضبوط کیا جائے جو محترم ڈاکٹر صاحبؒ لگا گئے، یعنی تنظیم اسلامی اور انجمن خدام القرآن۔ پھر آپ چاہے مرد ہوں یا خاتون، بچے ہوں یا بوڑھے ان دونوں اداروں کے ساتھ جڑ کر اُس مشن جو کہ دراصل مشن محمدی ﷺ ہے اپنی جانوں کو بالکل اسی طرح لگادیں جس طرح ۷۸ سالہ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور نے خود کو وقف کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دادا استاد ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کامل مغفرت فرمائے، ہمیں ان کے ان اداروں کو مضبوط کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔